۱۵۱- الاسوانی حسین بن علی بن سید الکل، نجم الدین (م ۷۳۹ھ) ص ۶۱

۱۵۲- الاسوانی، الزبیر بن علی ص ۶۱. (اخو نجم الدین الاسوانی)

۱۵۳- الاسوانی، حسن بن علی (م ۷۲۴ھ) ص ۶۱ [اخو نجم الدین الاسوانی]

۱۵۴- الأدفوی[1] جعفر بن عبد اللہ بن تغلب بن جعفر، ابو الفضل کمال الدین۔

(۶۸۵-۷۴۸ھ) ص ۶۱

۱۵۵- الاصفہانی، محمود بن عبد الرحمن بن احمد، ابو الثناء شمس الدین (م ۶۷۹-۷۴۹ھ) ص ۶۲

۱۵۶- الاصفونی[2] احمد بن محمد بن عبد العلیم، علم الدین (۷۰۰-۷۴۹ھ) ص ۶۳

۱۵۷- الاردبیلی[3] فرج بن محمد بن ابی الفرج، نور الدین (م ۷۴۹ھ) ص ۶۳

۱۵۸- ابن الأنصاری، احمد بن محمد بن قیس، ابو العباس، شہاب الدین (۶۶۰-۷۴۹ھ) ص ۶۳

۱۵۹- الاصفونی، عبد الرحمن بن یوسف بن ابراہیم، ابو القاسم نجم الدین (۷۰۷-۷۵۰ھ) ص ۶۴

۱۶۰- الاسنوی، سلیمان بن جعفر، ابو الربیع، محی الدین (۷۰۰-۷۵۶) ص ۶۴

۱۶۱- محمد بن ضیاء الدین احمد بن عبد القوی، نجم الدین (م ۷۶۳ھ) ص ۶۴

۱۶۲- احمد بن عبد القوی ضیاء الدین (م ۷۱۲ھ) ص ۶۵ [والد نجم الدین محمد]

۱۶۳- الإسنائی محمد بن الحسن بن علی بن عمر، عماد الدین القرشی الأموی۔ (۶۹۵-۷۶۴ھ) ص ۶۶

---

[1] أدفو (بضم الہمزۃ وسکون الدال وضم الفاء وسکون الواو) کی طرف منسوب ہے۔ صعید مصر میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ یہ گاؤں قوص اور اسوان کے مابین واقع ہے۔ یہاں کھجور کے باغات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ (معجم البلدان ۱/۱۲۶)

[2] اصفون (بفتح الہمزۃ وضم الفاء) کی طرف منسوب ہے۔ اصفون دریائے نیل کے مغربی کنارے پر ایک گاؤں کا نام ہے (معجم ۱/۲۱۲)

[3] قال الاسنوی فی طبقاتہ: "وارد بیل قریۃ من قری تبریز" طبقات ص ۶۳

۱۶۴۔ ترجمۃ والد المصنف[1] (م ۱۰۸۰ھ) ص ۶۶

۱۶۵ الاسنائی جمال الدین، عبدالرحیم (م ۷۴۰ھ) ص ۶۷ ۔ [عم مصنف]

---

[1] مصنف نے اپنے والد کے حالات مختصراً لکھے ہیں لیکن والد کا نام یا نسب نامہ نہیں دیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس نسخے سے وہ صفحہ غائب ہو جہاں مصنف نے اپنے والد کا نسب نامہ لکھا ہے۔ اس نسخے میں محمد بن الحسن الاسنوی کے ترجمہ کے ذیل میں مصنف نے اپنے والد کے حالات بھی لکھ دیئے ہیں۔ اور اس طرح حالات شروع کیے ہیں: "وکان الوالد رحمۃ اللہ تعالیٰ مع ما اتصف بہ من العلم من کبار الصالحین المتورعین المنقطعین الی اللہ عزوجل، اشتغل باسنا علی البہاء القفطی الخ ..." محمد بن الحسن الاسنوی کے حالات زندگی ختم ہونے کے فوراً بعد مندرجہ بالا عبارت سے مصنف اپنے والد کے حالات زندگی لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ آخری دو سطروں میں اپنے چچا عبدالرحیم جمال الدین الاسنوی کے حالات بھی لکھ دیتا ہے۔

باقی

ندوۃ المصنفین دہلی

۱۹۷۰ء کی جدید مطبوعات حسب ذیل ہیں

۱۔ تفسیر مظہری اردو (نویں جلد)	قیمت مجلد ۱۷/۰ روپے
۲۔ حیات (مولانا) سید عبدالحئی	" " ۱۱/۰ "
۳۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت	" " ۹/۰ "
۴۔ مآثر و معارف (از: مولانا قاضی محمد اطہر مبارکپوری	" " ۱۰/۰ "

پتہ: ندوۃ المصنفین: اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

قدامۃ بن جعفر

(کاتب بغدادی)

(۲)

(سلسلے کے لئے ملاحظہ فرمائیے برہان فروری ۱۹۵۱ء)

نقد الشعر

ازجناب وقار احمد صاحب رضوی۔ ایم۔اے۔ دہلی

"نقدالشعر" کو مصنف نے تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ فصل اول میں شعر کی تعریف، اقسام شعر، اجزائے شعر اور مباحث شعر میں ــ معنی فحش، مناقضہ یا تناقض کے مسائل کو جگہ دی ہے۔ دوسری فصل میں نعوت شعر کے تحت ــ نعت اللفظ، محاسن وزن اور نعت القوافی کا ذکر ہے اس فصل میں ایک طویل باب مضامین شعری کے بیان میں ہے۔ اس باب میں شعر کے مضامین۔ مدح، ہجو، مراثی، نسیب، وصف، تشبیہ اور اقتصار علی حد الاوسط کے مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ باب افکار و نظریات کے اعتبار سے اہم باب ہے۔ اسی باب میں صنائع معنوی ــ تقسیم، صحت التفسیر، تتمیم، مبالغہ، تکافو، التفات کو بیان کیا گیا ہے تیسری فصل میں عیوبِ شعر سے بحث ہے۔

شعر کی تعریف کرتے ہوئے قدامہ نے کہا ہے کہ شعر کے لئے علمِ عروض سے زیادہ مذاقِ سلیم کی ضرورت ہے۔ وجدان اور ذوقِ سلیم شعر گوئی کی بنیادی کہتے ہیں۔ یہ ایک فطری ملکہ ہے۔ جو خدا اپنے خاص بندوں کو ودیعت کرتا ہے۔ اور اسی کو شاعر کے ملکۂ راسخہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حقیقتِ شعر علم و عروض و قوافی کا محتاج نہیں۔ کیوں کہ موزونیت اور قافیہ بندی کی

فطری لہر، طبائع انسانی میں پائی جاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ علم عروض بعد میں مدوّن ہوا اور شاعری پہلے ہی سے رائج ہے۔

قدامہ نے علمِ شعر کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) علم عروض و وزن (۲) علم قوافی ومقاطع

(۳) علم غریب و لغت و نحو (۴) علم معانی ومقصد

(۵) علم نقد الشعر۔

حدِ شعر کے چار رکن ہیں اور وہ یہ ہیں۔

لفظ[۱]، معنی[۲]، وزن[۳]، تقفیہ[۴]

قول[۱] یا لفظ کی قید سے دلالت کلام مقصود ہے۔ جو شعر کے لئے بمنزلۂ جنس کے ہے۔ وزن[۳] کی قید شعر کو قول غیر موزوں سے ممتاز کرتی ہے۔ اور قافیہ[۴] کی قید شعر کو اس کلام سے ممیز کرتی ہے جو موزوں ہو مگر مقفی نہ ہو لیکن حقیقتِ شعر، تقفیہ سے مستغنی ہے۔ کیوں کہ کلامِ موزون غیر مقفی بھی اہلِ صناعت کے نزدیک شعر کی تعریف میں داخل ہے۔ شعر کے لئے قافیہ کے بجائے وزن زیادہ ضروری ہے۔

معنی[۲] کی قید سے وہ قول خارج ہو گیا جس میں وزن اور قافیہ ہو مگر وہ کسی معنی پر دلالت نہ کرے۔

اس تعریف میں شارح نے دو باتوں کا اضافہ کیا ہے۔ ایک یہ کہ اگر "قول" کے بجائے "کلام" کہا جاتا تو زیادہ اچھا تھا کیونکہ کلام کہتے ہی اس قول کو ہیں جو معنی پر دلالت کرے۔ پھر "یدلّ علی معنی" کہنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔" دوسرے "بالقصد" کی قید بڑھائی ہے۔ ورنہ قرآن کی آیات شعر کی تعریف میں شامل ہو جانے کا اندیشہ ہے[۱]۔ اگرچہ یہ بات بھی ہے کہ قرآن مجید، مجموعاً باعتبارِ تخاطب،

---

[۱] جیسے الف۔ لن تنالوا البرّ حتیٰ تنفقوا۔ فاعلاتن ، فاعلاتن ، فاعلات

ب۔ ثمّ انتم ہٰؤلاءِ تقتلون۔ " " " "

...ب شعری پر مشتمل نہیں ہے۔ اس لئے اس کو تماماً کلام منظوم یا شعر نہیں کہہ سکتے۔ چاہے بالقصد کی ...ہو یا نہ ہو۔

اب بحث شعر کے جیّد اور رَدی ہونے میں ہے۔ شعر ایک صناعت (فن) ہے۔ اور ہر صناعت ... دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک جودت اور دوسرے ردائت ـــ مطلب یہ ہے کہ کلام جیّد بھی ہوتا ... ہے اور رَدی بھی لیکن ہر صناعت میں صانع کی یہ غرض ہوتی ہے کہ مصنوع کو غایتِ کمال یا اعلیٰ ... نے تک پہنچا دے۔ مصنوع کو غایتِ کمال تک پہنچانے میں صانع کی کاریگری یا جذبہ ... امی کو زیادہ دخل ہوتا ہے .... ۔ اس نظریہ کے پیشِ نظر مطلق شعر کی حسب ذیل پانچ ... رتبیں ہوئیں۔

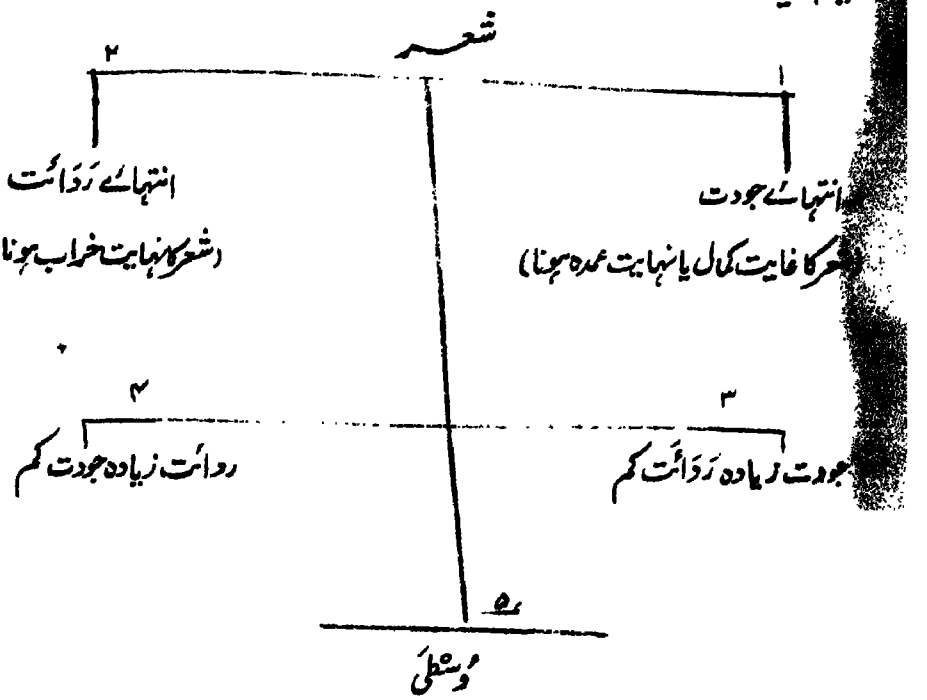

۱۔ وہ شعر جس میں تمام اسبابِ جودت مجتمع ہو جائیں اور وہ عیوب سے خالی ہو۔ اس کو نہایت عمدہ ... یا انتہائے جودت کہا جائے گا۔

۲۔ وہ شعر جس میں اس حالت کی ضد موجود ہو یعنی عیوب سے بھرپور ہو، اس کو نہایت خراب

شعر یا انتہائے ردائت کہا جائے گا۔

۳۔ وہ شعر جس میں دونوں حالتوں ـــ جودت و رذایت کے تھوڑے تھوڑے اسباب جمع ہوں۔ یعنی جودت زیادہ ردائت کم یا

۴۔ رذائت زیادہ جودت کم تو اچھے یا برے شعر سے اس کو جس قدر قرب ہوگا، اسی لحاظ سے اس کا نام رکھا جائے گا۔

۵۔ اور کچھ درمیانی درجات بھی ہوتے ہیں ان کو وسائط کہتے ہیں۔ یعنی اگر شعر مراتب اوسط کی تعبیر کرے تو اس کو صالح، متوسط یا لاجیّد ولا ردیّ کہیں گے۔ جیسے کہا جائے گا کہ یہ شعر اچھا (صالح) ہے یا اوسط درجہ کا ہے۔ یا نہ اچھا ہے نہ برا کیوں کہ درمیانی مراتب کی تعبیر کا یہی ایک طریقہ ہے کہ سلب طرفین کے ساتھ اس کی تعریف کی جائے۔ اس لیے ایسے موقع پر کہیں گے "لاجیّد و لا ردیّ" یعنی نہ اچھا ہے نہ برا جس طرح نیم گرم پانی کے متعلق جو گرم اور ٹھنڈے کے مابین ایک درمیانی مرتبہ ہے، عرفاً کہا جاتا ہے کہ نہ وہ گرم ہے نہ ٹھنڈا۔

ہر فن کار طرفِ اعلیٰ کا قصد کرتا ہے۔ وہ مصنوع کو اعلیٰ درجہ کی کاریگری کا نمونہ بنانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ اب اگر صناع میں اس قدر قدرت ہے کہ وہ اپنی صنعت کو غایت کمال تک پہنچا دے تو وہ ماہر کامل، شاعر بلیغ یا الفحل الخنذیذ ہے اور اگر وہ غائت مطلوبہ تک پہنچنے میں قاصر ہے تو حسب موقع اس کا نام رکھا جائے گا۔ ظاہر یہی ہے کہ غائت مطلوبہ تک پہنچنے میں ناکامی اسی شاعر کی ہو سکتی ہے جس کا ملکۂ شعر گوئی کمزور ہو۔

قدامہ نے "نقد الشعر" میں تین اہم مباحث کو جگہ دی ہے اور ان کے بارے میں اپنے منفرد خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ شعر میں معنی فحش جائز ہیں۔

۲۔ تناقض یا مناقضہ بری چیز نہیں ہے۔

۳۔ شعر میں غلو یا مبالغہ اچھا ہے۔

معنی فحش | اگر مضمون نہایت مبتذل اور فاحش ہو، لیکن شاعر اس کی بہترین تصویر کشی کر دے اور اس کی حکایت و توصیف میں غایتِ مطلوبہ تک پہنچا دے، تو پھر وہ شعر مبتذل نہیں طرزِ ادا کی وجہ سے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام مضامین شعری، شاعر کے دماغ پر نازل ہوتے ہیں اور اس بات کا شاعر کو پورا اختیار ہے کہ وہ جس خیال کو پسند کرے، اس کو بیان کر دے۔ کیوں کہ مضامین، شعر کے لئے بمنزلۂ مادۂ موضوعہ کے ہیں۔ اور شعر ان کے لیے بمنزلۂ صورت کے ہے جیسا کہ ہر صناعت کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک ایسی شئ موضوع ہو جو صورتوں کی تاثیر یا اثر قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ جیسے نجاری کے لیے لکڑی اور صیاغت کے لیے چاندی۔

اسی طرح معانی یا مضامین شعر کے لیے مثل مادہ کے ہیں۔ اور خود شعر اس میں بمنزلۂ صورت کے ہے جیسے لکڑی مادہ ہے اور اس سے جو چیز موضوع ہو، وہ صورت ہے۔ تو اس شئ موضوع کی جودت و رَدائت کا انحصار لکڑی کی اچھائی یا خرابی پر نہیں بلکہ اس میں صناع کے جذبۂ صناعی یا کاریگری کو زیادہ دخل ہے۔ کیوں کہ اگر لکڑی ردی ہے اور صانع اس کو اچھی طرح بنا دے تو لکڑی کا خراب ہونا مصنوع کی رَدائت کا سبب نہ ہوگا۔ بلکہ یہ بات صانع کے لیے باعث تحسین و قابل تعریف ہے کہ اس نے ایسی خراب لکڑی سے اتنی اچھی چیز تراش دی۔ اسی طرح شعر میں فحش اور مبتذل خیالات و مضامین کو نہیں دیکھا جائے گا۔ بلکہ اس امر پر غور کیا جائے گا کہ شاعر نے اس پست خیال کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔ اور اس خیال کو حسنِ ادا میں، حدِ اعلیٰ طرفِ اجود یا غایتِ مطلوبہ تک پہنچا دیا ہے یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انحصارِ جودت، مادہ یا مضمون پر نہیں بلکہ اصل چیز صناع کا جذبۂ صناعی یا وہ تراش ہے جو شعر کو غایتِ کمال تک پہنچاتی ہے۔

اس سلسلے میں قدامہ نے امرؤ القیس کے ان دو شعروں کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے

فَمِثْلُكِ حُبْلَىٰ قَدْ طَرَقْتُ وَمُرْضِعٍ فَأَلْهَيْتُهَا عَنْ ذِي تَمَائِمَ مُحْوِلِ

إِذَا مَا بَكَىٰ مِنْ خَلْفِهَا انْصَرَفَتْ لَهُ بِشِقٍّ وَتِحْتِي شِقُّهَا لَمْ يُحَوَّلِ

ان دونوں اشعار میں شاعر نے اگرچہ گھٹیا مضامین کی ترجمانی کی ہے لیکن قدامہ کے نزدیک یہ دونوں شعر مبتذل نہیں ہیں کیوں کہ شاعر نے ان میں خیال کی تصویر کشی کر دی ہے۔ قدامہ کے نزدیک مضمون یا خیال کا بذات خود مبتذل ہونا، شعر کی جودت کو زائل نہیں کرتا جس طرح لکڑی کا فی نفسہ ردی اور خراب ہونا، صناع کی جودتِ کاریگری کو عیب نہیں لگاتا۔ نیز یہ کہ یہ بات تو شاعر کی قادر الکلامی یا ملکۂ راسخہ پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اس نے ایسے رکیک مضمون کو اس قدر اعلیٰ پیرایہ میں بیان کر دیا۔ یہ شاعر کی قوت شعر گوئی اور کمال اقتدار کی بات ہے۔

تناقض یا مناقضہ | تناقض یا مناقضہ یہ ہے کہ شاعر پہلے کسی چیز کی بہت تعریف کرے اور پھر اسی کی بری طرح مذمت کرے۔ اسی کو مناقضہ یا اختلاف رائے کہتے ہیں بعض علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے ایسے لوگ مناقضہ کو عیب شمار کرتے ہیں لیکن قدامہ کے نزدیک، مناقضہ درست ہے یہ کوئی عیب اور گرفت کی بات نہیں۔ بشرطیکہ مدح و قدح اپنی اپنی جگہ پر نہایت عمدہ اور قابل تحسین ہو مصنف کے نزدیک یہ بات فن شعر گوئی میں، شاعر کی قدرت یا ملکۂ راسخہ پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے ایک چیز کی خصوصیت ظاہر کی، پھر اسی کے خلاف نہایت حسن و خوبی اور کمال مہارت سے بیان کر دیا۔ پہلے شعر۔ شعر کے معنی میں کچھ تھوڑا بہت تصرف کر کے دوسرا خیال ظاہر کیا۔ یہ عیب نہیں۔ بلکہ شاعر کی قادر الکلامی کی دلیل ہے۔

عقل سلیم اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جس طرح مبتذل مضامین کو اشعار میں لانا عیب نہیں اسی طرح متناقض خیالات کا باندھنا بھی شاعر کے لیے حدِ کمال میں داخل ہے۔ اگر شاعر نے ان متناقض خیالات کو حسن و خوبی سے ادا کیا ہو۔

مثال کے طور پر امرءُ القیس کے ان اشعار میں تناقض ہے ؎

فَلَوْ أَنَّمَا أَسْعَىٰ لِأَدْنَىٰ مَعِيشَةٍ كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيلٌ مِنَ الْمَالِ

اگر میں معمولی اور ادنیٰ زندگی کے لیے کوشاں ہوتا، تو مجھے قلیل مال کافی ہوتا اور میں مجد و بزرگی کا طالب نہ ہوتا

۲۔ وَلٰكِنَّمَا أَسْعَىٰ لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ وَقَدْ يُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِي

لیکن میں نے پائدار مجد و بزرگی کو طلب کیا، بلند حوصلہ ہونے کی وجہ سے۔ اور مجھ جیسے بلند حوصلہ لوگ ایسی پائدار شرف و بزرگی کو پالیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ شاعر بلند حوصلہ ہے۔ اور اکتفاءُ الانسانِ بِالیسیرِ کا قائل نہیں ہے۔

۳۔ فَتَمْلَأُ بَيْتَنَا أَقِطًا وَسَمْنًا وَحَسْبُكَ مِنْ غِنًى شِبَعٌ وَرِيٌّ

وہ گلۂ گوسفند جو اونٹ کے عوض ملا ہے، وہ ہمارے گھر کو گھی اور پنیر سے بھر دیتا ہے اور تمہارے لیے مال داری سے بس یہی کافی ہے کہ خوب پیٹ بھر کر کھالو اور پانی پی کر سیراب ہو جاؤ۔

یہ تینوں اشعار دو مختلف قصیدوں کے ہیں۔

جو لوگ ان اشعار پر اعتراض کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ امرؤ القیس کے ان اشعار میں تناقض ہے اور وہ یہ کہ پہلے دو شعروں میں شاعر نے اپنی علوے ہمت اور بلند حوصلہ ہونے کا ذکر کیا ہے اور ادنیٰ معیشت پر اپنی نارضامندی کا اظہار کیا ہے لیکن تیسرے شعر میں شاعر نے بلند ہمتی سے اعراض کرتے ہوئے، قناعت کی تعلیم دی ہے جیسا کہ شاعر کا قول ہے ؎

وَحَسْبُكَ مِنْ غِنًى شِبَعٌ وَرِيٌّ

ان دونوں مضامین یعنی شروع کے دو شعروں اور تیسرے شعر میں معترض کے نزدیک تناقض ہے۔ بلکہ معترضین یہاں تک گئے ہیں کہ انھوں نے اس بات سے بھی انکار کر دیا ہے کہ یہ امرؤ القیس کے اشعار ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک امرؤ القیس اس قسم کے متضاد اشعار نہیں کہہ سکتا۔

اب مصنف (قدامہ) اس تناقض کا رد کرتا ہے ۔ مصنف کہتا ہے کہ اوّل تو میرے نزدیک، شعر میں تناقض یا مناقضہ جائز ہے ۔ دوسرے اگر غور سے دیکھا جائے تو امرؤ القیس کے ان اشعار میں کوئی مناقضہ نہیں ہے بلکہ دونوں معنی ، دونوں شعروں میں مربوط اور متحد ہیں ۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ شاعر نے بیچ میں یعنی دوسرے شعر کے مضمون میں تصرف کر لیا ہے ۔ یا تھوڑا سا اضافہ کر دیا ہے جو کسی طرح بھی دوسرے معنی سے متخالف نہیں ہے ۔ اور نہ متناقض ہے ۔ اور شاعر کو یہ حق ہے کہ وہ اُن مضامین کو جو باہم متناقض نہ ہوں ۔ تھوڑے اضافے سے بیان کر دے ، یا اس میں تصرف کرے ۔

جب امرؤ القیس کہتا ہے ؎

فلو أنما اسعى لِادنى مَعِيْشَةٍ کفانی ولم اطلبْ قلیلٌ من المالِ

وَحَسْبُكَ مِن غِنیَ، شِبعٌ دری

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں ادنیٰ معیشت کے لیے کوشاں ہوتا تو مجھے قلیل مال کافی ہوتا اور میں مجد و بزرگی کو طلب نہ کرتا ۔

یہ شعر تیسرے شعر کے اس مفہوم سے بالکل موافق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تم کو مال داری سے بس یہی کافی ہے کہ تم پیٹ بھر کر کھا لو اور پانی پی کر سیراب ہو جاؤ ۔ وحسبك من غِنی شِبْع دريٌّ ۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان دونوں شعروں یعنی پہلے شعر اور تیسرے شعر کے اس دوسرے مصرعے میں قناعت کی تعلیم دی گئی ہے ۔ البتہ دوسرے شعر میں جو ان دونوں اشعار کے درمیان واقع ہے شاعر نے معنی میں تصرف سے کام لیا ہے ۔ اور مضمون میں وسعت پیدا کر دی ہے ؎

دلكنّمَا : سعی لمجدٍ مُؤثّلٍ وقد یُدْرِكُ المجدَ المؤثّلَ امثالی

چونکہ شاعر بلند حوصلہ ہے اس لیے وہ ادنیٰ معیشت پر اکتفا کرنا نہیں چاہتا بلکہ پائدار شرف

بزرگی کا طالب ہے مصنف کا کہنا ہے کہ اس شعر میں شاعر اپنی علوئے ہمتی کا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔ یہ مضمون باقی دونوں اشعار سے متناقض نہیں ہے۔ اور نہ یہ ان دونوں اشعار کے مفہوم کو منسوخ کرتا ہے۔ بلکہ دونوں مطلب ایک ہی ہیں۔ صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے یہ محض معترض کے خیال کی بات ہے کہ اس نے یہ گمان کر لیا کہ امرؤ القیس ایک جگہ تو قلیل مال پر قناعت کی تلقین کر رہا ہے اور دوسرے شعر میں اس کی تردید کرتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسا نہیں ہے اور نہ شاعر کا یہ مقصود ہے۔ اور اگر بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ دونوں مضمون آپس میں متناقض ہیں۔ تو اس کے لیئے شاعر خطاکار یا مجرم نہیں۔ شاعر کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا کلام ایک دوسرے کی نقیض نہ ہو۔ شاعر پابند نہیں ہوتا۔ وہ متناقض خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ شاعر سچائی سے متصف نہیں ہوتا۔ یہ ضروری نہیں ...کہ اس کا ہر قول سچا[1] ہو۔ بلکہ اس سے صرف یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جب وہ کسی متناقض خیال کو بیان کرے تو اس کو نہایت حسن و خوبی سے ادا کر دے۔ جو اس کے کمالِ اقتدار اور قدرت کی دلیل ہو۔

غلو یا مبالغہ | بعض شاعر مدح میں اختصار اور اجمال سے کام لیتے ہیں۔ وہ شعر کے معنی میں حد اوسط پر اکتفا کرتے ہیں اور مدح کے باب میں اقتصار علی حد الاوسط کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں شاعر کی مراد اختصار کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے طولِ کلام بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ فضول گوئی ہوتی ہے۔

لیکن کچھ شعراء ایسے ہیں جو ایک یا دو فضیلتوں کا ذکر کر کے مدح یا مرتبہ میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ قدامہ کے نزدیک شعر کے معنی میں مبالغہ جائز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پورے طور سے مدح اسی وقت اچھی ہوگی جب کہ شاعر فضائلِ ممدوح میں غلو سے کام لے۔ اور ان کی تمام یا اکثر خصوصیات

---

[1] يَقُولُونَ مَالَا يَفْعَلُونَ وَفِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۔

کو بیان کردے۔ غلو یا مبالغہ کا مسلک اس لیے بہتر نہیں کہ حدِ اعتدال سے بڑھا جا رہا ہے۔ یا یہ کہ شاعر نے اس کو اپنے خیال میں ایسا ہی تسلیم کیا ہے۔ بلکہ اس سے مقصد صرف اتنا ہے کہ ناممکن امر کے ذکر سے توصیف و مدح کے معنی میں وسعت اور قوت پیدا ہو جائے۔ مبالغہ سے مقصود، توصیف کو انتہا تک پہنچانا اور بطور تمثیل واضح کرنا ہوتا ہے۔ شعر میں غلو یا مبالغہ حقیقتاً مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ بطور تمثیل ایسا کیا جاتا ہے تاکہ سامع کا ذہن غایتِ مطلوبہ تک پہنچ جائے قدامہ غلو یا مبالغہ کو بہترین مذہب قرار دیتا ہے چنانچہ بعض لوگوں کا قول ہے — احسن الشعر اکذبہ۔

قدامہ نے مبالغہ کی مثال میں ابو نواس کا یہ شعر درج کیا ہے جو ہارون رشید کی مدح میں ہے ؎

واخفت اهل الشرك حتى انه لتخافك النطف التي لم تخلق

اے ممدوح! تو نے اہلِ کفر و شرک کو اس قدر خوف زدہ کر دیا ہے کہ وہ نطفے جن کا ابھی سانچہ بھی نہیں بنا ہے۔ وہ بھی تیرے رعب کی وجہ سے خائف ہیں۔

یہ شعر قدامہ کے نزدیک مدح کے باب میں مبالغہ کی بہترین مثال ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ فلاسفۂ یونان بھی اپنی زبان میں شعر گوئی کا یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں اور مسلکِ غلو کو پسند کرتے تھے۔

اور اس سے ان کا مقصود وہ غلو ہے جو موجود سے پیدا ہوتا ہے اور باب معدوم میں داخل ہو جاتا ہے۔ یعنی اتنا غلو کرنا کہ کالعدم ہو جانا۔ اس سے کسی چیز کی تعریف میں انتہا کو پہنچنا اور صنعت مبالغہ کا اظہار کرکے، اس کی مثال قائم کرنا ہوتا ہے۔ مبالغہ سے حقیقت اور واقعیت مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ اشیاء کو غایت مطلوبہ تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ طریقہ یعنی بطور تمثیل، غلو اور مبالغہ کرنا دوسرے طریقہ یعنی اقتصار علی حد الاوسط سے بہرحال بہتر ہے۔

اس کے بعد قدامہ نے بَابُ الْمَعَانِی الَّتِی عَلَیْهَا الشِّعْرُ، کے تحت، مدح، ہجو، مراثی، نسیب، وصف اور تشبیہ کا ذکر کیا ہے۔

"لغت المدیح" میں مصنف نے لکھا ہے کہ ممدوح جس نوع سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی اسی طرح تعریف کرنا چاہیئے۔ مثلاً اگر بادشاہ ہے تو اس کی مدح میں اوصافِ زیر کا تذکرہ نہ ہو بلکہ جو شاہی اوصاف ہوتے ہیں، انہیں سے ممدوح کو متصف کیا جائے۔ اسی طرح اونٹ اور گھوڑے کی توصیف میں ان کے مناسب اوصاف کو بیان کرنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ نے زُہیر کے بارے میں کیا خوب جملہ کہا ہے۔

إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَمْدَحُ الرِّجَالَ إِلَّا بِمَا يَكُونُ لِلرِّجَالِ[1]

حضرت عمر کے اس قول سے مدح کا ایک عام معیار مقرر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کی مدح صرف اوصاف سے کرنا چاہیئے جو ان میں موجود ہوں۔ اور جو ان کے مناسب حال ہوں۔ اسی طرح یہ بات بھی واجب ہے کہ جب رجال کے علاوہ کسی چیز کی مدح کی جائے تو اس میں بھی اس معیار کا لحاظ رکھا جائے۔ اور اس کی تعریف ان ہی صفات سے کی جائے جو اس میں موجود ہوں اور جو ان کے مناسب حال ہوں۔ اور کسی طرح اس کے خلاف نہ ہوں۔

مطلب یہ کہ جیسا ممدوح ہوگا ویسے ہی اوصاف بیان کیے جائیں گے۔ لوگوں کی قسموں کے لحاظ سے اوصاف کی قسمیں ہوتی جائیں گی۔ مثلاً ممدوح بلند ہے یا پست، صاحبِ مرتبت ہے یا مزدور، دیہات سے تعلق رکھتا ہے یا شہر کا رہنے والا ہے۔ وغیرہم۔ سب سے پہلے جاننے کی ضرورت یہ ہے کہ ممدوح ان طبقات میں سے کس طبقہ سے ——— تعلق رکھتا ہے۔ تاکہ اسی کے لحاظ سے اس کی مدح کی جائے۔

اسی باب مدیح میں قدامہ نے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ فضائل انسانی چار ہیں

---

[1] نقد الشعر صفحہ ۱۴ لغت المدیح۔

ان پر ارباب عقل و دانش کا اتفاق ہے۔ ان کو خصائل اربعہ بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ عقل۔ ۲۔ شجاعت۔ ۳۔ عدل۔ ۴۔ عفت[1]

پس جو شخص ان چار خصلتوں کے ساتھ انسان کی مدح کرے گا وہ اپنے موقف میں صحیح ہوگا اور وہ مدح کا حق ادا کرے گا۔ اور جو شخص ان خصائل اربعہ کے علاوہ کے ساتھ انسانی مدح کرے گا وہ خطاکار ہوگا۔

اگر کسی انسان کی تعریف تنہا شجاعت اور دلیری کے ساتھ کی جائے یا سخاوت و شجاعت دو صفتوں سے ممدوح کو متصف کیا جائے اور صرف انہیں دو صفات پر اقتصار ہو اور ان دونوں کے علاوہ اور کسی وصف کا ذکر نہ کیا جائے، تو ایسا شاعر خطاکار یا غلط گو نہیں ہوگا اس لیے کہ اس نے بعض فضائل کے ساتھ مدح کرنے میں راہِ ثواب اختیار کی ہے۔ البتہ اس کو مقصرِ ضرور

---

[1] قدامہ کے نزدیک خصائل چار ہیں۔ جب کہ اخلاق کی کتابوں میں یہ خصلتیں تین بتائی گئی ہیں۔ قدامہ نے خصائل اربعہ میں عدل کو بھی شامل کیا ہے۔ حالانکہ عدل الگ سے کوئی قسیم نہیں بلکہ ایک مقسم مستقل ہے جو باقی تین خصلتوں پر حاوی ہے۔

شجاعت: دفاعی طاقت کو عقل کی روشنی میں اعتدال کے ساتھ استعمال کرنے کا نام ہے اس کا افراطی پہلو تہور ہے اور تفریطی پہلو جبن ہے۔

عفت: مرغوبات کے حصول کی طاقت کو عقل معتدل کے ساتھ خرچ کرنے کا نام عفت ہے۔

عقل: عقل قوت ادراکیہ کو کہتے ہیں اس کا مذموم پہلو حماقت، بلادت اور سفاہت ہے۔

عدل: شجاعت، عفت، عقل کے مجموعہ کا نام ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خصلت حمیدہ صرف ایک ہے اور وہ ہے عدل۔ عدالت میں خصائل ثلثہ یعنی شجاعت، عفت اور عقل سب آجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قدامہ نے جب آگے چل کر فضائلِ مرکبہ کو بیان کیا ہے تو وہاں عدل کا بالکل ذکر نہیں کیا۔

کہیں گے۔ کیوں کہ اس نے اقتصار سے کام لیا ہے اور تمام اوصاف کو بیان نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شعراء میں مُصیب وہی ہوگا جو ان خصائل اربعہ سے انسانوں کی توصیف کرے اور ان کے مغائر کا ذکر نہ کرے۔

جیسے زُہیر بن ابی سُلمیٰ نے حصن کی مدح میں کہا ہے ؎

۱- أخي ثِقَةٍ لا تُهلِكُ الخمرُ ما لَه   ولكنّه قد يُهلِكُ المالَ نائِلُه

ممدوح قابل بھروسہ شخص ہے۔ شراب نے اس کے مال کو تلف نہیں کیا بلکہ وہ راہِ سخاء میں اپنے مال کو لٹاتا ہے۔

اس شعر میں شاعر نے ممدوح کو عفت اور عدل سے متصف کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میرا ممدوح خصائل حمیدہ کا حامل ہے۔ وہ عفیف النفس اور عادل ہے۔ وہ اپنی دولت بے جا عیش و عشرت میں صرف نہیں کرتا بلکہ اپنا مال راہ سخا میں خرچ کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ لذائذ دنیوی سے منحرف رہتا ہے اور یہی عدل کے معنی ہیں۔

بے جا عیش و عشرت میں دولت خرچ نہ کرنا، اور دنیوی لذتوں سے انحراف، یہ عفت ہے۔ اور ہر شئی کو اس کے محل میں رکھنا، دولت کا صحیح مصرف یعنی جود و سخاء کی راہ اختیار کرنا، یہ عدل ہے کیوں کہ سخاوت، اقسام عدل سے ہے ؎

پھر اس کے بعد کہا ہے ؎

۲- تراه إذا ما جئتَه متهلِّلاً   كأنّك تُعطيه الذي أنت سائلُه

تم ممدوح سے بخشش کا سوال کرو تو وہ اس قدر خوش ہوگا کہ گویا تم اس سے مانگ نہیں رہے ہو بلکہ عطا کر رہے ہو۔

یہ شعر تفنّن مدح سے ہے کیوں کہ شاعر نے ممدوح کی تعریف پہلے سخی ہونے کے ساتھ کی پھر اسی وصف کو اور زیادہ بڑھا کر بیان کر دیا۔ عطا کے وقت ممدوح کو دلی مسرت ہوتی ہے جس کا اثر چہرے پر بشاشت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کے اس فعل میں کسی قسم کے تنغّص یا ترش روئی کو دخل

نہیں ہوتا۔

پھر شاعر نے ممدوح کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ؎

فَمَنْ مِثْلُ مِحْصَنٍ فِی الحُرُوبِ وَمِثْلُهُ — لِإِنكارِ ضَيْمٍ اَوْلِخَصْمٍ يُجادِلُه

جنگ کے وقت شجاعت میں، ممدوح حصن کا کوئی حریف و نظیر نہیں اور دشمن کا مقابلہ کرنے اور ظلم کو دفع کرنے میں اس کا کوئی عدیل و سہیم نہیں۔

اس شعر کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مناظرہ و بلاغت میں ممدوح کا کوئی عدیل و سہیم نہیں۔ وہ ذلت کے مقام سے اپنے آپ کو بچاتا ہے اور ذلت کی بات سے انکار کرتا ہے۔ یعنی مغلوبیت سے۔

اس شعر میں زہیر نے ممدوح میں شجاعت، دانائی، قوت بیان (بلاغت) اور عقل (ظلم کو دفع کرنا) کے اوصاف کو بیان کیا ہے۔ اس طرح شاعر نے ان مدحیہ اشعار میں چاروں خصلتوں کا استیعاب کر لیا ہے جو درحقیقت فضائل انسانی ہیں۔

جس طرح سخاوت، بابِ عدل سے ہے اسی طرح وفا (أخی ثقة) بابِ عفت سے ہے جو فضیلتیں خصائل اربعہ میں داخل ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ عقل:

ثَقَابَةُ الْمَعرِفة یعنی احساس کی تیزی یا ذکاوتِ حس، حیا، بیان، سیاست، کفایت، حق و باطل میں تمیز کرنا، جاہلوں کی سفاہت سے درگذر کرنا، علم، تدبر۔

۲۔ شجاعت:

اپنی جان و مال کی حفاظت کرنا، دشمنوں کو دفع کرنا، انتقام اور بدلہ لینا، ہیبت و دبدبہ، گردن نہ جھکانا،

۳۔ عدل: